تحریکِ اسلامی

اسلامی تحریکیں' ماضی اور حال

عقیدہ و فکر کے محاذ پر

خلیل احمد حامدی

اسلامی تحریکیں تقریباً پون صدی کا عرصہ کشمکش گزارنے کے باوجود تازہ دم اور جوان ہمت ہیں۔ اس تازگی اور روانی کی وجہ وہ نصب العین ہے جس کے لیے وہ برپا ہوئی ہیں۔ وہ نصب العین چونکہ کہنگی سے مبرا اور دائمی و ابدی ہے اس لیے اس کی علم بردار تحریکیں بھی ہر قدم پر مزید پرجوش اور ہر دم مزید پر عزم رہتی ہیں۔ اس نصب العین کا ماخذ اللہ کی کتاب ہے جسے قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ جب تک یہ کتاب دنیا میں موجود ہے اس کا نصب العین بھی موجود ہے' اور اس کے لیے زندگیوں کو وقف کرنے والے بھی اٹھتے رہیں گے۔

اگر ہم اس نصب العین کا خلاصہ بیان کریں تو وہ دو لفظوں پر مشتمل ہے: اقامت دین۔ اور اس نصب العین کی خاطر جو جذبہ انسانوں کو تازہ دم اور ولولہ انگیز رکھتا ہے وہ بھی دو لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے: رضائے الٰہی۔ کیا جو انسان اپنے شعور کی گہرائیوں اور دل کی پہنائیوں سے اقامتِ دین کو مقصدِ زندگی اور رضائے الٰہی کو توشہ آخرت قرار دے دے' وہ کہنگی کا شکار یا درماندگی کا نوالہ بن سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ جوں جوں وہ جدوجہد میں کھپتا جائے گا' اور امتحان و آزمائش کی بھٹیوں سے گزرتا جائے گا اس کے ولولوں میں چمک' اس کے تشخص میں نفاست اور اس کے کردار میں استقامت ابھرتی جائے گی۔

دورِ حاضر کی تحریکوں کو مٹانے یا محدود رکھنے کے تمام منصوبے ناکام ہوتے رہے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی مثال مصر و شام میں اخوان المسلمون اور ترکی میں تحریکِ اسلامی ہے۔ ساٹھ اور ستر کا عشرہ ایسا تھا کہ امریکہ اور روس کے مابین سرد جنگ عروج پر تھی۔ ایک طرف امریکہ عالمِ

اسلام میں اپنے پٹھو حکمرانوں کو' روس کے خلاف اپنی سرد جنگ کا ایندھن بناتا رہا۔ دوسری طرف روس اپنے کارندوں کے ذریعے عوام میں "روسی جنت" کا ڈھنڈورا پیٹتا رہا۔ اس دو طاقتی معرکہ آرائی میں اسلامی تحریک اپنے راستے پر پوری ہمت و قوت کے ساتھ گامزن رہی۔ روسی ایجنٹ اسے امریکہ نواز کہتے' اور امریکی لابی اسے تہذیب و تمدن کی دشمن کہتی۔ درحقیقت دونوں کیمپ اس کی بیخ کنی پر متفق تھے۔ ۱۹۶۵ میں جب جمال عبدالناصر ماسکو گیا تو اس نے اپنے روسی آقاؤں کے مطالبے کے تحت ماسکو ہی سے یہ اعلان جاری کیا تھا کہ "میں اخوان المسلمون کو اب مصر میں برداشت نہیں کروں گا"۔ چنانچہ وہ واپس آیا اور سید قطب اور ان کے ہزاروں ساتھیوں کو گرفتار کر لیا' پھر ۱۹۶۶ میں سید قطب اور ان کے دو ساتھیوں' اسماعیل اور یوسف ہواش کو بڑی بے شرمی کے ساتھ تختہ دار پر لٹکا دیا۔ ۱۹۷۳ میں ترکی میں اسلامی تحریک کے افراد نے ملی نظام پارٹی کے نام سے جماعت تشکیل دی' جسے امریکہ کے حکم سے چند روز کے اندر خلافِ قانون قرار دے دیا گیا۔

یک محوری نظام کے کنسوڈین امریکہ کو یہ خدشہ ہے کہ مغربی تہذیب کی جگہ اگر کوئی لے سکتا ہے تو وہ اسلامی تہذیب ہے۔ اس لیے اس نے اسلامی تہذیب کو اپنا حریفِ اوّل بنا لیا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ عالمِ اسلام کو اس وقت تک یک محوری نظام کے فریم میں فٹ نہیں کیا جا سکتا جب تک اسلامی تہذیب کے احیا کی آواز کو پوری شدت کے ساتھ وہ دبا نہیں لیتا۔ روس بھی اسلام کو نظریاتی مدِمقابل سمجھ کر اپنے دورِ عروج میں پوری طرح کچلنے کی کوشش کرتا رہا' اور مغربی جمہوریت کے علمبرداروں نے اس پر کبھی کسی کبیدگی کا اظہار نہیں کیا۔

جب ۱۹۵۴ میں اخوانی قائدین عبدالقادر عودہ اور یوسف طلعت وغیرہ کو قاہرہ میں سزائے موت دی گئی تو اسرائیل اور برطانیہ میں بڑی خوشی کا اظہار کیا گیا۔ اسی طرح ۱۹۶۲ میں جب ترکی میں عدنان مندریس کو فوجی ڈکٹیٹر جمال گورسل نے پھانسی دے دی تو پورے یورپ اور امریکہ کے دلوں میں ٹھنڈک محسوس کی گئی۔ عدنان مندریس کا جرم صرف یہ تھا کہ اس نے ۱۹۵۶ میں انتخابات میں کامیابی کے بعد ترکی میں عربی میں اذان کی اجازت دے دی تھی اور اماموں اور خطیبوں کی تربیت کے لیے چند مدرسے قائم کر دیے تھے۔ ۱۹۵۵ میں سماٹرا میں "دارالاسلام" تحریک کو سکارنو نے فوج کے ذریعے بری طرح کچل دیا' تو اس پر بھی روس' چین اور امریکہ سب نے گھی کے چراغ جلائے۔

اسلامی تحریکوں کا آغاز بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی سے ہوا ہے۔ اخوان المسلمون مصر کی تاسیس ۱۹۲۸ میں ہوئی۔ پانچ سال کے اندر اندر اس کی شاخیں سوڈان' فلسطین' شام اور عراق میں

پھیل گئیں۔ بدیع الزماں نورسیؒ نے "طلبائے نور" کے نام سے ترکی میں مصطفیٰ کمال پاشا کے الحاد کے خلاف، جس کی پشت پر انگریز اور یہودی تھے حقائقِ قرآنی اور تصنیفاتِ ایمانی کی تحریک برپا کی۔ آزادیِ وطن کی تحریکوں میں بھی علمائے اسلام ہی نے روح جہاد اور جذبہ شہادت پھونکا تھا۔ اس کی نمایاں مثالیں شیخ بدرالدین حسینی (شام)، شیخ عبدالحمید بن بادیس (الجزائر) اور عبدالکریم ریفی اور علال الفاسی (مراکش) وغیرہ کے جہادی کارناموں میں ملتی ہیں۔

سامراجی طاقتیں اسلامی تحریکوں کو سر اٹھانے کا موقع نہیں دے سکتی تھیں۔ جونہی احیائے اسلام کی آواز اٹھتی ہے اور جہاد کا نام زبانوں پر آتا ہے، سامراجی طاقتوں کو صلیبی جنگیں یاد آ جاتی ہیں۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد ایک جنرل جب فاتحانہ دمشق میں داخل ہوا تو سیدھا صلاح الدین ایوبیؒ کی قبر پر گیا اور کہا "اے صلاح الدین ہم واپس آگئے ہیں"۔ پھر جب یہ سامراجی طاقتیں آزادی کی جنگوں کے بعد مسلمان ممالک سے رخصت ہوئیں تو اسلام دشمنی کا مشن اپنے "وفا شعار خلفا" کے حوالے کر گئیں، اور انھوں نے اسلامی تحریکوں کو کچلنے کے لیے وہ "کارنامے" سر انجام دیے جو ان کے پیشوا بھی کرنے سے ہچکچاتے رہے۔

اسلامی تحریکوں کے پیشِ نظر محض افراد کی تبدیلی نہیں ہے۔ اگر تبدیلیِ افراد پیشِ نظر ہوتی تو سید قطب شہید، جمال عبدالناصر کی یہ پیشکش قبول کر لیتے کہ وہ حکومت کی مخالفت چھوڑ دیں اور مصر کی وزارتِ تعلیم لے لیں۔ سید قطب نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور تختۂ دار پر لٹکنا قبول کر لیا۔ اسلامی تحریکوں کے سامنے محض دعوت و تبلیغ اور فکرِ اسلامی کی اشاعت ہی نہیں ہے۔ اگر دعوت و تبلیغ پر اکتفا مقصود ہوتا تو مولانا مودودیؒ جنرل ایوب خاں کا ۱۹۶۱ میں یہ مشورہ قبول کر لیتے کہ "آپ سیاست میں حصہ لینا چھوڑ دیں اور اپنے زورِ قلم اور قوتِ علم سے پاکستان اور بیرون پاکستان مسلمانوں کی خدمت کریں۔ آپ سے کوئی تعرض نہیں کرے گا، بلکہ پوری پوری حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ کیونکہ سیاست گندا کھیل ہے اور عالمِ دین کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اس گندگی میں ملوث ہو"۔ مگر مولانا مودودیؒ نے یہ کہہ کر ایوب خان کا مشورہ قبول کرنے سے معذرت کر دی کہ "میں سیاست میں اس لیے حصہ لیتا ہوں کہ اسے گندگی سے پاک کر دیا جائے اور صالح سیاست کی طرح ڈالی جائے"۔ اسلامی تحریکوں کے پیشِ نظر ایک مکمل فکری اور تہذیبی انقلاب ہے۔

دورِ استعمار سے پہلے ہی مسلمان معاشروں میں دینی، اخلاقی اور علمی کمزوری در آئی تھی۔ ان کا مذہب چند ظاہری رسوم کا نام رہ گیا تھا۔ علم و فن میں یکسر جمود تھا۔ اجتہاد و اکتشاف تو کجا تقلید

کی بھی پوری صلاحیت باقی نہ رہی تھی۔ اس راکھ کے ڈھیر میں تھوڑی بہت جو چنگاریاں باقی رہ گئی تھیں ان کو پھونک دے کر اسلامی تحریکوں نے اپنے مشن کا آغاز کیا۔ اور وسائل کی قلت اور عددی کمی کے باوجود اپنا سفر جاری رکھا ہے۔ گویا چیونٹی پہاڑ سر کر رہی ہے اور ممولہ شہباز سے لڑ رہا ہے۔

کامیابیوں کا گراف

اسلامی تحریکوں نے ماضی میں کیا کامیابیاں حاصل کی ہیں؟

ظاہربین لوگ یا عجلت پسند طبیعتیں کامیابی کا صرف ایک پیمانہ سامنے رکھتی ہیں۔ اور وہ ہے حصولِ اقتدار۔ اس پیمانے کے ذریعے وہ تحریکوں کے قدوقامت اور طول و عرض کو ناپتی ہیں۔ ہم ظاہربینی اور عجلت پسندی کی مذمت نہیں کرتے۔ یہ بھی انسانی فطرت کا ایک خاصہ ہے۔ ہمارے سامنے صبرِ نوحؑ بھی ہے اور واقعۂ یونسؑ بھی۔ تاہم نظریاتی تحریکوں کے بارے میں نتائج و ثمرات کے لیے بے تابی دکھانا' یا سال گن گن کر کامیابی اور ناکامی کا حساب لگانا' کسی ہلکے پھلکے کارکن کا شیوہ تو ہو سکتا ہے' صاحبِ فہم و شعور اور میدانِ عمل میں غرق رہنے والے کو یہ بات زیب نہیں دیتی۔ وہ تو "بغیر حساب" کام کیے جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے "بغیر حساب" اجر طلب کرتا ہے۔

مولانا مودودیؒ نے تحریک کے کارکن کی مثال کسان سے دی ہے۔ وہ زمین کی کاشت میں اپنی ہر محنت و قابلیت کھپاتا ہے' اور پھر اگر اس کی قسمت میں فصل کاشت کرنا لکھا ہوتا ہے تو کاشت کر لیتا ہے' اور اگر قدرتی و سماوی آفات عین کاشت کے وقت اس کی فصل کو تباہ کر دیتی ہیں تو وہ نئے سرے سے کمرِ ہمت باندھ لیتا ہے۔ اپنے تئیں وہ ہل چلانے سے لے کر تخم ریزی اور آبیاری اور پاسبانی تک پورے جتن کیے جاتا ہے اور پھر نتائج اللہ پر چھوڑتا ہے۔ لیکن' حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تحریکوں نے گذشتہ نصف صدی میں کئی نمایاں کامیابیاں حاصل کی ہیں۔

اسلامی تہذیب کا احیا

تہذیبی جنگ میں اسلامی تحریکوں نے اسلامی تہذیب کے صحیح تصور کا احیا کیا ہے۔ سینکڑوں برس سے مسلمان اسلامی تہذیب کے اصل اور کامل تصور سے بے بہرہ ہو چکے تھے۔ سامراجی طاقتوں نے اپنے سائنسی انکشافات اور علمی تحقیقات کے حوالے سے مسلمان قوموں کو انتہائی مرعوب کر دیا' یہاں تک کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ خود اسلام کی صداقت پر اپنا یقین کھو بیٹھا۔ علمائے کرام کا ایک گروہ دین کو بچانے کی کوشش تو کرتا رہا' مگر اس کا دائرہ توجہ بھی چند باتوں تک

سکڑ گیا۔ راقم ۱۹۴۴ میں کرنال کی ایک دینی درسگاہ کا طالب علم تھا۔ حنفی فقہ کی مشہور کتاب' ھدایہ میں جب عبادات اور نکاح و طلاق کے ابواب پڑھ لیے' تو استاد محترم نے فرمایا کہ کتاب المغازی (احکام جہاد) اور کتاب السیر (بین الاقوامی قانون) پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ نہایت مخلص اور صالح انسان تھے' مگر ان کا یہ مشورہ حالات کی ترجمانی پر مبنی تھا۔ ان پسماندہ حالات اور جمود و جحود کی فضا میں اسلامی تحریکوں نے احیائے اسلام کا بیڑا اٹھایا۔

ان تحریکوں نے اسلام کا اصل تصور خود مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ اور اس کا آغاز اس نقطے سے کیا جو خود قرآن کریم نے اختیار کیا ہے' یعنی توحید کا جامع تصور۔

مغربی تہذیب نے بھی مذہب اور سیاست کی تفریق کر دی تھی۔ مذہب چرچ کے حوالے کر کے سیاست کو حکمرانوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اس صورت حال نے دنیا میں فساد برپا کر دیا اور اب تک یہ فساد برپا ہے۔ اسلامی تحریکوں نے مسلمانوں کے ذہنوں سے اس غلط تصور کو بھی کھرچا۔ خدمات سب کی ہیں' لیکن یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا کہ اس میدان کے اصل دھنی سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ہیں۔

جاہلیت کی تشخیص

فکری میدان میں اسلامی تحریکوں نے یہ اہم کام بھی کیا کہ جاہلیت کی صحیح تشخیص کی۔ مسلمانوں کے لٹریچر میں جاہلیت سے مراد وہ زمانہ تھا جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے برسوں پر محیط تھا۔ قرون اولیٰ کے بعد مسلمانوں کی معاشرت میں جو عجمی روایات و عادات گھس آئیں اور انہوں نے مسلم معاشروں کے خالص اسلامی کردار کو داغدار کر دیا اور اسلام کا نظام حکمرانی بھی بُری طرح مجروح ہوا' ان سب خرابیوں کو مسلم تہذیب اور مسلم ثقافت کی فہرست میں شمار کیا جاتا رہا۔ حالانکہ یہ خرابیاں جاہلیت تھیں نہ کہ اسلامی تہذیب و ثقافت۔ اس غلط اندیشی کا نقصان یہ ہوا کہ مسلمانوں کے اندر جاہلیت کے خلاف جو نفرت ہونی چاہیے تھی وہ پیدا نہ ہوئی۔ اور یوں اسلام اور جاہلیت میں امتیازی خطوط گڈمڈ ہوتے رہے۔

تاریخ اسلامی میں مجددینِ کرام نے بار بار اس "جاہلیت" پر تنقید کی ہے اور اسے زندگی سے خارج کرنے کی دعوت دی ہے۔ بایں ہمہ صدیوں سے مسلمان اسی "مخلوط اسلامی تصور" میں گم رہے۔ مزید برآں عیسائی اور یہودی مستشرقین اور ان کے ذلّہ بردار مسلم مصنفین نے اس "مخلوط اسلامی تصور" کو مزید گہرا کرنے کی کوشش کی اور ہر وہ برائی یا منکر جسے اسلام نے مٹایا تھا اسے مسلمانوں کی تاریخ سے چُن چُن کر نکالا اور پھر اسے "اسلامی نظامِ حیات" کا امتیاز ثابت کیا۔ عربوں

میں اس کام کو لبنان اور مصر کے عیسائی مصنفین مثلاً میخائیل' جرجی زیدان اور حتی نے خوب کیا۔

دور حاضر میں اسلامی تحریکوں کو سب سے زیادہ جس مشکل مسئلے کا سامنا کرنا پڑا' اور ابھی تک وہ اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکی ہیں' وہ مسلمانوں کی سوچ اور زندگی سے "جاہلیت" کا اخراج ہے۔ اسلامی تحریکوں نے یہ حقیقت واشگاف کی ہے کہ "جاہلیت" کسی مخصوص عہد کا نام نہیں ہے' بلکہ یہ اس انفرادی کردار یا اجتماعی طرز زندگی کا نام ہے جو وحیِ الٰہی کی ہدایت پر استوار نہ ہو۔ اگر اسلامی قانون کی حکمرانی نہ ہو تو یہ جاہلیت ہے (المائدہ ۵:۵۰)' اگر مسلمان عورت بن ٹھن کر اپنے جسم کی نمائش کرتے ہوئے باہر نکلے تو یہ جاہلیت ہے (الاحزاب ۳۳:۳۳)' جنگ میں اگر تقویٰ کے بجائے قومی و قبائلی عصبیت کی راہ اختیار کی جائے تو یہ جاہلیت ہے (الفتح ۴۸:۲۶)' اور اگر اللہ کے بارے میں ناحق بدگمانی برتی جائے تو یہ جاہلیت ہے (آل عمران ۳:۱۵۴)۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو "وحشیانہ" کہنا یا انھیں انسانوں کے لیے نقصان دہ سمجھنا جاہلیت ہے۔ پس جب تک مسلمانوں کے اندر یہ احساس بیدار نہیں کیا جاتا کہ وہ قومی پیمانے پر بھی اور انفرادی زندگی میں بھی وسیع پیمانے پر "جاہلیت" کے نرغے میں ہیں' وہ جاہلیت کے خلاف نہیں اٹھ سکتے۔

اسلامی تحریکوں نے اس بیماری کا بھی علاج کیا۔ سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ' سیّد قطب شہید اور محمد قطب نے اسلام اور جاہلیت کا فرق واضح کیا' جاہلیت کے مظاہر و آثار کی' نشاندہی کی اور نسلِ نو کے اندر جاہلیت کے خلاف بیزاری اور اسلام پر خود اعتمادی کو اجاگر کیا۔ ان بزرگوں کی کوشش کا ہم یہ نتیجہ دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان نوجوان آج عین جاہلیت کے مراکز' امریکہ اور یورپ میں رہ کر بھی جاہلیت سے متنفر اور اسلامی تہذیب کے فدائی بن چکے ہیں اور جاہلیت کے علمبردار انگشت بدنداں ہیں کہ جس چیز کو وہ اپنے پورے علم و فن کی طاقت سے فروغ دے رہے تھے وہ اپنے گھر میں نشانہ نفرت بن رہی ہے۔ امریکہ میں اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ (ICNA)' اسلامک سوسائٹیز آف نارتھ امریکہ (ISNA)' مسلم عرب یوتھ ایسوسی ایشن (MAYA)' اور ایم ایس اے (مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن) اور دیگر متعدد تنظیمیں اور مراکز "بیسویں صدی کی جاہلیت" کو اندر سے جھانک کر اس کے خلاف برسرپیکار ہو چکے ہیں۔ برطانیہ' جرمنی اور فرانس میں اسلامی تحریک کی بڑھتی ہوئی آواز عصری جاہلیت کے خلاف جدوجہد کا آغاز ہے۔

ذہنی غلامی کا علاج

اس مثبت اور تعمیری کارنامے کے ساتھ' تحریکوں نے عقیدہ و فکر کے محاذ پر ایک اور اہم

فریضہ انجام دیا۔ اسے ہم فقہ کی زبان میں "تخلیہ قبل از تحلیہ" کہیں گے۔ یعنی کسی چیز کی تزئین و تعمیر کے لیے پہلے اسے بدنما داغوں اور فاسد مادوں سے صاف کرنا چاہیے۔

ملتِ اسلامی کا کارفرما اور تعلیم یافتہ طبقہ مغربی تہذیب سے بُری طرح مسحور و مغلوب ہو گیا تھا۔ سائنسی ایجادات کے جلو میں مغربی نظریات جو محض مفروضوں پر استوار تھے مسلمانوں کے ذہنوں پر اپنی دھاک بٹھائے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ اسلام کے بنیادی عقائد و ایمانیات پر بھی کچھ لوگوں کا ذہن متزلزل ہو چکا تھا اور کچھ رہنمائے قوم تو سرے سے الحاد اور دہریت کے علمبردار بن چکے تھے۔ دنیائے عرب میں طٰہٰ حسین، قاسم امین، علی عبدالرزاق ان میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ برِ اعظم ہند میں بھی ایسی شخصیتیں اٹھیں جنہوں نے تہذیبِ فرنگ سے مرعوب ہو کر اسلام کے اندر ترمیم و تبدیلی شروع کر دی۔ ان حالات میں مسلمان نوجوانوں کے اندر اسلام کے بارے میں خود اعتمادی مفقود ہو گئی اور وہ رہنمایانِ قوم کو دیکھ کر اپنی تہذیب و ثقافت سے بیزار ہونے لگے۔ سیاسی غلامی میں تو وہ پہلے ہی مبتلا تھے، اب وہ اس غلامی سے نجات پانے کے لیے جس جذبے کی ضرورت تھی اس سے بھی محروم ہو رہے تھے۔

ایک شکست وہ تھی جو مسلمانوں کو سیاسی اور عسکری میدان میں مغربی یلغار کے مقابلے میں پیش آئی۔ سلطان ٹیپو (ہند)، محمد بن احمد المہدی (سوڈان)، محمد بن محمد سنوسی (لیبیا)، عبدالکریم ریفی (مراکش) امیر عبدالقادر (الجزائر)، مصطفیٰ کامل پاشا (مصر) محمد عبداللہ (صومالیہ)، سب نے مغربی حملہ آوروں کا آخری دم تک مقابلہ کیا اور جہاد و دفاع کی لازوال داستانیں رقم کیں۔ مگر چونکہ مسلمان علم و فن میں پسماندہ ہو چکے تھے، اس لیے وہ اپنے زبردست مقابلے کے باوجود آخر کار شکست کھاتے رہے۔ مگر اصل شکست جو مسلمانوں کے لیے حقیقی زوال و انحطاط کا پیغام لے کر آئی وہ ذہنی اور نفسیاتی شکست تھی۔ پہلی قسم کی شکست کو مسلمانوں نے شکست خوردگی کے باوجود قبول نہیں کیا، مگر دوسری نوعیت کی شکست کو انہوں نے دل و جان سے قبول کیا، اور ایک گروہ تو اس پر فخر و ناز پر اتر آیا، اور اسے برائی کی بجائے خوبی اور ہزیمت کے بجائے نصرت سمجھنے لگا۔ اس سے بڑھ کر کسی رہزن کی کیا قسمت ہوگی کہ اس کی رہزنی کو "رہبری" کا نام دے دیا جائے اور ظالم و ستمگر کو اس کے ظلم پر ہار پہنائے جائیں۔

اسلامی تحریکوں نے اس بیمار ذہنیت کا بڑی حکمت و محنت سے علاج کیا۔ سائنس اور فرضی نظریات میں فرق واضح کیا۔ البتہ فرضی نظریات جو نہ صرف وحی الٰہی سے متصادم تھے، بلکہ عقلِ سلیم اور انسانی تجربات بھی ان کی تصدیق کرتے تھے، ان کی تردید کی، اور ان کے مقابلے میں

اسلامی نظریات کو پیش کیا۔ اور یہ کام اس قوت سے کیا کہ مسلمانوں کی نوجوان نسل تہذیب فرنگ کی حقیقت سے آشنا ہو گئی اور اسلام پر اس کا اعتماد بحال ہو گیا' اب مسلمان نوجوانوں کی بڑی تعداد یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں تعلیم بھی حاصل کرتی ہے' ان کے مفکرین کے نظریات بھی پڑھتی ہے' ان کے سائنسی اکتشافات اور ٹیکنالوجی کی توبہ تو ایجادات بھی دیکھتی ہے اور پھر "خذما صفا و دع ما کدر" (صاف ستھرا لے لو اور میلا کچیلا چھوڑ دو) پر عمل کرتی ہے۔ الحاد و بے دینی کی فضا میں وہ خدا پرستی کی علمبردار ہے' بے حیائی کے طوفان میں شرم و عفت کی پابند ہے' اور بندگان ڈالرو سٹرلنگ کے سامنے ایمان و یقین کے تقاضوں پر عمل کرتی ہے۔ مغربی یونیورسٹیاں انگشت بدندان اور دست بسر ہیں کہ جن لوگوں کو ہم اپنی کان میں لا کر نمک بنانا چاہتے تھے وہ نمک بننے کے بجائے مزید کندن بنتے جا رہے ہیں۔ امریکہ اور یورپ کی اصل بوکھلاہٹ جو اسے بنیاد پرستوں کو دیکھ کر ہو رہی ہے اس کا اصل سبب یہی ہے۔ اسلام ذہنوں میں بحال ہو رہا ہے اور عملی زندگی میں اس کی پیروی شروع ہو چکی ہے۔ جبکہ تہذیبِ مغرب اندر سے کرم خوردہ ہو چکی ہے۔ منشیات' جنسی امراض' نسل پرستی' سود اور روحانی خلا اس کی دیوار کو کھوکھلا کیے جا رہا ہے اور عین ممکن ہے کہ کسی وقت بھی یہ دیوار دھڑام سے گر پڑے' جس طرح کیمونزم کی دیوار دیکھتے ہی دیکھتے زمین بوس ہو گئی ہے۔ (جاری ہے)

سال نو کا بہترین تحفہ

ہمقدم ڈائری ۹۴ء

آفسٹ کاغذ بہترین پرنٹنگ اور
خوبصورت جلد کے ساتھ اور
وال کیلنڈر، پاکٹ کیلنڈر
ادارے سے حاصل کریں

قیمت 45 روپے
ڈاک خرچ 12 روپے

آپ رقم بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں اور ڈائری رجسٹرڈ ڈاک سے حاصل کریں
وی پی ہرگز نہیں کی جائے گی۔

آپکا ادارہ: ادارہ مطبوعات طلبہ اچھرہ لاہور